گفتگو کرتے ہوئے اس کے ایک راوی خالد بن عمرو القرشی الاموی السعیدی کے متعلق لکھا ہے کہ یہ متروک و متہم ہے اور میں نے کوئی اس کی توثیق کرنے والا نہیں پایا اور جن بعض مشائخ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے ان کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "فیہ بعد" یعنی یہ بات بعید ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کا نور بصیرت انھیں کچھ اور بھی کہنے پر مجبور کر رہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:—

لکن علی ھذا الحدیث لامحة من انوار النبوة ولا یمنع کون راویہ ضعیفا ان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالہ[1]	لیکن اس حدیث پر انوار نبوت کی شعاعیں محسوس ہو رہی ہیں اور راوی کے کمزور ہونے سے یہ بات ضروری نہیں ہو جاتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہی نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ راوی کے کمزور ہونے سے تو صرف اتنا معلوم ہو گیا کہ اس حدیث کے علم تک پہنچنے کا واسطہ کمزور ہے لیکن یہ بات کہ زبانِ نبوت سے واقعۃً یہ الفاظ نکلے تھے یا نہیں؟ بالکل الگ چیز ہے۔ اس کے بعد مصنف نے ایک دوسری سند سے اس کی متابعت و تائید کی ہے، لیکن ہمیں تو اس جگہ صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس حدیث کی تائید و توثیق کا اصل محرک درحقیقت وہی سخن شناس نورِ باطن ہے جس نے اس میں ان کو نبوت کی جھلک دکھائی ہے ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

حافظ منذری کے اسی زاہدانہ مزاج کا اثر ہے کہ انھوں نے الترغیب والترہیب کے اندر صرف ایک باب باب الترغیب فی الزھد فی الدنیا والاکتفاء منھا بالقلیل کے تحت ایک سو سڑسٹھ روایتیں جمع کی ہیں جبکہ

---

[1] الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۵۷۔

اس کے علاوہ پوری کتاب میں کسی باب کے اندر بھی اتنی روایات نہیں ہیں۔ ان روایات میں آپ نے مرفوع احادیث بھی لکھی ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے آثار و معمولات بھی نقل کیے ہیں اور اس کے بعد بھی سیری نہیں ہوئی۔ چنانچہ لکھا ہے:-

ولو بسطنا الكلام على سيرة الخلف وزهدهم لكان من ذلك مجلدات لكنه ليس من شرط كتابنا وانما املينا هذه النبذة استطرادا تبركا بذكرهم[1]

اور اگر ہم اسلاف کی سیرت تفصیل سے بیان کریں تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں لیکن یہ بات ہماری کتاب کی شرائط کے موافق نہیں ہے۔ ہم نے تو یہ کچھ تھوڑا سا محض ضمنی طور پر بغرض تبرک لکھوا دیا ہے۔

وفات: علوم شریعت اور احادیث نبوت کا یہ آفتاب فتنۂ تاتار کے سال چار ذیقعدہ سن چھ سو چھپن ہجری (۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۹ء) کو غروب ہو گیا اور مصر میں کوہ مُقَطَّم کے دامن میں تدفین ہوئی۔[2] رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

---

[1] الترغیب ج ۴ ص ۲۲۶ و ص ۲۲۷۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۲۱/۲۲۲ طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۱۰۸ ص ۱۰۹، مقدمۃ الترغیب للمصنف، حسن المحاضرۃ ج ۱ ص ۱۴۹، شذرات الذہب ج ۵ ص ۲۷۷ ص ۲۷۸، البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳ ص ۲۱۲

نوٹ:- ہم نے جہاں کہیں کوئی حوالہ نہیں دیا ہے وہاں انھیں کتابوں سے ماخوذ سمجھئے اور ان کے علاوہ ہم نے مصنف کے حالات معلوم کرنے کے لیے ان کی کتاب الترغیب والترہیب سے بھی مدد لی ہے۔

عہدِ تاناشاہ کا ایک گمنام شاعر

۱۰۹۶ھ مطابق ۱۶۸۵ء

از جناب ڈاکٹر نورالسعید اختر بمبئی

عروس البلاد بمبئی اپنی گوناگوں صفات کی بنا پر رشکِ جناں بنی ہوئی ہے حسن کی رعنائیاں صبح کی قیامت خیزیاں اور شام کی رنگینیاں یہاں کی از حد مصروف زندگی کو قدرے سکون پہنچاتی ہیں۔ علاوہ ازیں اس عروسِ نو کے گہوارے میں علوم و فنون کی پرورش بھی ہوتی رہی ہے، اور آج بھی علم و فن کے پروانے اس میدان میں کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں۔ اس ضمن میں جامعہ بمبئی کی خدمات قابلِ ستائش ہیں۔ محققین کے لیے جامع بمبئی کا کتب خانہ آبِ حیواں سے کم نہیں ہے۔ اس کی وسیع و عریض عمارت نہایت پُرکشش ہے اس میں نادر و نایاب قلمی مخطوطات کی بہتات ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہاں قدیم اردو کے نوادرات اور مخطوطات زیادہ نہیں ہیں البتہ چند مخطوطے ایسے ہیں جو امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں مُلّا وجہی کی تاج الحقائق، وجدی کی "پنچھی باچھا" اور محمد رضی کی "لورک اور مینا" قابلِ ذکر ہیں۔ ذیل کی سطور میں ایک بیاض نما مخطوطے کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں عہدِ تاناشاہ کے ایک گمنام شاعر کا عشق نامہ بھی موجود ہے۔

مجموعہ مثنویات :۔ اس مجموعہ میں چھ مخطوطے مجلد ہیں۔ عبدالقادر سرفراز صاحب کی مرتب کردہ فہرستِ مخطوطات میں اس کا سلسلہ نمبر ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶ اور ۴۷ ہے

مجموعہ کا کیٹلاگ نمبر ۱۳ اور فہرست میں ان مخطوطات پر سرسری معلومات صفحہ ۱۱۷ پر درج ہے۔ اس مضمون میں پہلے تین مخطوطات ہی کا تعارف ہے۔ بقیہ مخطوطات کا تفصیلی تعارف آئندہ مضمون میں کیا جائے گا۔

(۱) مخطوط نمبر ۲۴: معراج نامہ :— قدیم اردو میں معراج نامے بہت ملتے ہیں۔ یہ مخطوط بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ معراج کا ذکر ہے۔ اس کی ابتدا ان اشعار سے ہوتی ہے ؎

الہٰی توں قادر ہے سنسار کا — تو آدھار ہے سب ز دھار کا
رحیاں توں حاکم ہے صاحب سچا — توں ایک امر کے بیچ سب جگ رچیا
کیا سات آسمان یک تل منے — ہوا ذوق جس سات[1] تجہ دل منے
سو چوداطبق توں کیا ذوق سوں — دیا رنگ ہور روپ توں شوق سوں
احد میانی اول جو توں ایک تھا — نہ تھا کس کوں معلوم کیا بھید تھا

اس کے بعد اسمائے محمدی کا تفصیلی بیان ہے اور خلفائے راشدین کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ معراج کے بیان میں شاعر کا زور بیان ملاحظہ ہو۔

سپہلے شہنشہ یو گانے لگے — کتک جنس باجے بجانے لگے
سو چوتھی فلک پر چڑے[2] جوں نتاب — کر باندھا حاضر ہوا آفتاب

. . . .

ترا نور اگر ملیا نور میں — ندی جیوں ملے جا کو[3] سمندور میں
ندی کا کہاں[4] ناؤں سمندور ہوا — تیرا اور میرا ملکو[5] یک نور ہوا

---

[1] ساعت [2] چڑھے [3] جاکر [4] سمندر کہاں [5] مل کر۔

کتک[1] بات ظاہر کرو کر کہا   کتک بات مخفی رکھو کر کہا

معراج کے بعد جبریل علیہ السلام حضور سے مخاطب ہیں:۔

نبی نے سو سر کھو یں دہرے بہور چلے   کتک دور پر جبرئیل آ ملے

کہے تم دو گانہ کرو آج کا   شکر تم بجالاؤ معراج کا

. . . .

آئندہ اشعار میں شاعر کہتا ہے:۔

اوسی ٹھار دیکھے اونٹا نکا قطار   بجز حق نہ سکتا کیسے وان شمار

لو آتے کدھر سوں سو جاتے کدھر   نہ تھا کس کو معلوم کیا ہے اوپر

حکم یوں ہوا بیسلا[2] اونٹ کوں   دکھیا کھول صندوق نبی پاس توں

کسی یہودی نے واقعہ معراج پر شبہ ظاہر کیا اس امر کی وضاحت میں

اشعار ملاحظہ ہوں:۔

لو سنتے اوٹھیا بول یک نابکار   کہا یک جہود سوں کہ اٹھ جائیں بھار[3]

مجھیا ناگرم تھا سو کیا کہوں[4] تجھے   سراسر جھوٹی بات لگتی مجھے

جہودی کہا نقل مشہور ہے   مولس ہوا تھا سو منثور ہے

نبی کی زباں کو جھوٹ کے کیا[5]   سو یک سات[6] میں سات ٹکڑے ہوا

معراج نامے کا اختتام ان اشعار پر ہوتا ہے:۔

نبیاں کا تجے شاہ حق نے دیا   ولایت نبوت ازل سے دیا

اوسے سو نچ برحق رچا ہور دیا   منجہ عاجز کوں سلطان اعظم کیا

رجب کی چھبیسویں یونامہ تمام   بحق محمد علیہ السلام

---

[1] کتنی [2] بیٹھا [3] باہر [4] بستر [5] کھول [6] کہا [7] ساتھ [8] ٹکڑے

عبدالقادر سرفراز صاحب مرتب فہرست مخطوطات نے اس معراج نامے کے مصنف اس کے نام یا تخلص کی صراحت نہیں کی۔ دکن میں عاجز تخلص کرنے والے چند شاعر ہیں لیکن یہ عاجز اُن سے بالکل مختلف ہیں۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ ان کا نام اعظم تھا اور وہ عاجز تخلص کرتے تھے۔ اختتامیہ اشعار ہمارے اس خیال کو تقویت پہنچاتے ہیں۔

مخطوط کے کل صفحات گیارہ ہیں اور ہر صفحہ ۱۳ سطری ہے۔ کل اشعار کی تعداد ۲۷۰ ہے۔ کاتب کا نام غیاث خط نستعلیق ہے اور سنہ کتابت اس طرح درج ہے :—

"تمت الکتاب یازدہم در شوال المکرم ۱۱۸۶ھ روز پنج شنبہ در بندر میلاپور در پاس اوّل باتمام رسید۔"

عیسوی سن کے اعتبار سے یہ مخطوطہ جمعرات ۱۱ شوال ۱۱۸۶ھ یعنی ۱۵ دسمبر ۱۷۷۴ عیسوی میں بندرگاہ میلاپور میں غیاث نامی کاتب نے نقل کیا۔

وجود نامہ مخطوطہ (نمبر ۲) | ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے اس نظم کا نام[1] "روح اور تن کا مکالمہ" بتایا ہے۔

پروفیسر عبدالقادر سرفراز نے اس نظم کو "وجودنامہ" قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر زور کا خیال زیادہ درست ہے۔ البتہ یہ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ نظم شیخ محمود خوش دہاں ہی کی ہے۔ شیخ محمود خوش دہاں [2] کی فارسی تصنیف معرفت السلوک بھی دستیاب ہوتی ہے اس کے علاوہ شیخ محمود کی ایک نظم اور رسالہ بنام "واجب الوجود" بھی ملتا ہے۔ دراصل اس نظم میں

---

[1] تذکرۂ مخطوطات ادارۂ ادبیاتِ اردو جلد سوم صفحہ ۲۸۳

[2] فن معراج — ۲۰۰۔ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد۔

ایسی کوئی اندرونی شہادت نہیں ہے جس کی بنا پر ہم اس نظم کو شیخ محمود خوش دہاں کی تسلیم کریں۔ لیکن ڈاکٹر سیدہ جعفر صاحبہ نے شیخ محمود نامی شاعر کی کئی چھوٹی چھوٹی نظموں کا تعارف "سکھ انجن"[1] میں پیش کیا ہے ان کا خیال ہے یہ نظمیں شیخ محمود خوش دہاں ہی کی ہو سکتی ہیں، کیوں کہ ان نظموں کے موضوعات میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ موصوفہ نے روح اور تن کے مکالمے کو بھی شیخ محمود خوش دہاں کی نظموں میں غیر یقینی طور پر شمار کیا ہے۔ ملاحظہ کے لئے مکمل نظم پیش کی جا رہی ہے۔

سوال۔

الہی حکم تے پاک پروردگار ۱ وجود سوں روحیوں کوں ملا ایک ٹھار
کہ بھیجیا تھا دنیا میں تیری برات ۲ بولانے کا وعدہ کیا اس سنگات
لکھیا تھا جو قسمت میں اوسکے جیتے ۳ دیکھیا کھول باقی رہیا نیں رتے
اوسی سات انکوں جو بھیجیا طلب ۴ دونو میانے بچھڑا پڑیا تھا قلب
یکسکوں ملاتا ہے یک مانگ میں ۵ یکسکوں ملاتا ہے بس خاک میں
وجود سوں روح میں لگی گفتگو ۶ خوبی کان دہر کر سنو یار ہو
وجود نے کہا یونکہ سن اے جیا ۷ یتی دین (دن) ملکر توں منج میں رہیا
کیا زندگانی توں منج سات رل ۸ منجے چھوڑ تنہا نجا ٹیک تل
ہمارے تمہارے میں اتنا سلوک ۹ دونو مل کو پھرتے تھے ملکی ملوک
محبت مروت سیتی جوڑ کر ۱۰ نکو جارے تنہا منجے چھوڑ کر
ہمیں دونو چلتے تھے ایکچ طریق ۱۱ درد سوں دکھ میں اتے یو رفیق
تیرے سنگ سوں سب تھے سکی (سکھی) ۱۲ بغیر ض تیری او منجے کیا لگی

---

[1] سکھ انجن از شاہ ابوالحسن قادری۔ مرتبہ ڈاکٹر سیدہ جعفر ص ۴۱-۴۲

دونو میانے یک کوں لجانا سکے ۱۳ متاع تو یتا کچہ ملا کر رکھے

اسے سات لیونگی لوٹ کر ۱۴ چلیا جیو منجہ سوں تو یوں رٗو کر

گھری (گھڑی) یک (ایک) تجہ بات لذت تھی ۱۵ بہی تجہ بن جو منجکوں سو عزت نتھی

بتا وقت اس کوں رکھے ہیں سو کیوں؟ ۱۶ جو کوئی آکو دیکھے سو کہتے ہیں یوں

جتا حکم تھا سب تیرے ہات میں ۱۷ اچھا میں ہمیشہ تیری بات میں

اتا توں تو جانا منجے کیا کمتا ۱۸ ترے حکم سوں میں یو خارج نتھا

(جواب)

تی دن جو ملکر تو منجیں رہیا ۱۹ دیا جواب جیونے کہ سن اے جیا

رہوں گا تو جب لگ جو تیری عمر ۲۰ اصل میں تو سوں میں خدا کا امر

کیا تھا جو منجکوں توں اسکوں سنبھال ۲۱ کیا تھا الٰہی جو تیری دنبال

میرے ہر مشقت پڑے رہتی سنگن[۱] ۲۲ ترے سات تھا میں سو اور رات دن

کہ دنیا میں ظاہر اہے یو نقل ۲۳ تیری قد و قامت کے رنگ سور شکل

نہیں کوئی سمجھیا توں میری قدر ۲۴ تجے میں چرایا (چڑھایا) تھا اونچے صدر

دیکھیا سوں ترے سات میں یہی جفا ۲۵ ترے سوں تو میں کچہ منایا اتھا

تری قوت کا سب یو چارا کیا ۲۶ میں محنت مشقت سوں کارا کیا

تیرے سنگ سوں میں چلیا ڈنگ ہو ۲۷ اتا بس ہے منج کوں تیرا سنگ یو

اخر جواب دینا سو مشکل پڑیا ۲۸ ترے سات منجہ پر یو قصہ گھریا (گھڑیا)

کہے شیخ محمود سن اے اصیل

قیامت میں پوچھیگا دونوں کوں میل[۲]

۲۹

[۱] ہیچ۔ [۲] بل۔

* اس نظم کو بھی غیاث نامی کاتب نے ۱۱۰۸ھ مطابق ۱۶۹۶ء میں بندرگاہ میلاپور (مدراس) میں نقل کیا ہے۔

علی نامہ از آدم منصور گولکنڈوی مخطوطہ نمبر ۱۴۴

قدیم اردو میں کئی علی نامے موجود ہیں۔ نصرتی کے علی نامے کو خاص شہرت حاصل ہے۔ زیرِ نظر "علی نامہ" حالاں کہ کسی فارسی قصے کا ماحصل ہے لیکن چند باتوں کی بنا پر ہماری خاص توجہ کا حامل ہے۔ قدیم اردو کی تاریخوں کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ابوالحسن قطب شاہ کے عہد میں (۱۰۸۳ھ / ۱۰۹۸ھ مطابق ۱۶۷۲ء / ۱۶۸۷ء) فائز، نوری، لطیف، شاہی، مرزا، غلام علی وغیرہ جیسے باکمال شاعر موجود تھے۔ افسوس ہے کہ تمام تذکرے اور تاریخیں آدم منصور کے ذکر سے خالی ہیں۔ راقم الحروف کی تحقیق کے بموجب آدم منصور کا نام اس فہرست میں شامل کرنا ضروری ہے یہ اور بات ہے کہ ہمیں آدم منصور کے حالاتِ زندگی کا پوری طرح علم نہیں ہے لیکن "علی نامہ" کے اختیامیہ اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ قطب شاہی سلطنت کا آخری تاجدار ابوالحسن تاناشاہ آدم منصور کا بڑا قدردان تھا۔ اس نے آدم کو منصور کے لقب سے نوازا تھا۔ آدم اپنے متعلق انکساری سے کام لیتے ہوئے کہتا ہے کہ نہ وہ شاعر ہے اور نہ ہی شاعری اس کا شعار ہے۔ البتہ یہ مثنوی اس کے اثنا عشری ہونے کی بین دلیل ہے۔

نہ شاعر ہوں میں ہور نا شاعری نہ منعم ہوں میں ہور نا سامری

اپن طبع کے جھاڑ کے خیال کوں بہر حال اایا ہوں میں بارکوں

یہ علی نامہ ۳۵۰ ابیات پر مشتمل ہے اور اس کو دیکھ کر آدم منصور کی قادرالکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ واضح امر ہے کہ آدم نے ایک فارسی قصے کو دکھنی جامہ پہنایا ہے لیکن اس نے اپنی فنکاری سے قدیم اردو کی اس نظم کو کافی موثر بنا دیا ہے۔ آج سے تین سو سال قبل آدم منصور کی یہ کوشش لائق تحسین و آفرین ہے

اس مثنوی کی زبان صاف شستہ اور سلیس ہے۔ افسوس ہے کہ ہماری رسائی اصل قصہ تک نہ ہو پائی۔ ورنہ دونوں کا مقابلہ پیش کیا جا سکتا تھا۔ تب بھی ادبی نقطۂ نظر سے یہ مثنوی اہم مقام رکھتی ہے۔ اس علی نامہ کو جنگ نامہ علی یا جنگ رعد بھی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ بقول پروفیسر عبدالقادر سرفراز ۵

THE MASANAVI DEALS WITH ALIS COMBATS WITH THE JINNE DWELLING AT THE BOTTOM OF THE WELL CALLED بیرالعلم IN ARABIA (DESCRIPTION CATALOUGE OF ARABIC PERSION AND URDU BY S.A. KADIR SARFARAZ B.U. P (17)

علی نامہ کی ابتدا روایتی انداز میں حمد باری تعالیٰ سے ہوتی ہے:-

اول میں کروں بسم اللہ کا بیاں ۱ کیا ہے الٰہی یاں سب عیاں
کہ رحمان روزے دہندہ ہے آپ ۲ جہاں لگ ہے ہندو مسلمان سب
رحیم او جو بخشندہ آخر کا سب ۳ جہاں لگ ہے مومن مسلمان سب
جو کھولوں زباں میں بنام خدا ۴ محمد علیؓ سور امیر الہدا
وہی دستگیر ہور وہی رہنما ۵ وہی بادشاہ ہے زمین و زماں
گدائے گر منگتا ہے پانے نجات ۶ بغیر از علی کا صفت کر نہ بات

اس کے بعد نعتیہ اشعار ہیں اور پھر مثنوی کے اصل ماخذ کی طرف ان اشعار میں اشارہ کیا گیا ہے۔

الفا اصل میں نظم یو فارسی ۷ سو کھولے اس کے معنی کیا آرسی
سو یو اصل جھگڑا ہے بیرالعلم ۸ جو روشن کیا جگ منیں شہ کا علم
کتا ہوں او جھگڑا اتا کھول کر ۹ سنو خوب سمجھو تمیں کان دھر

حضرت علی کی شجاعت کی یہ داستان یوں شروع ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلعم لشکر با صفا کے ہمراہ ایسے جنگل میں جا پہنچے جہاں پانی نہیں تھا۔ رسول اکرم نے ساقی کوثر حضرت علی مرتضیٰ کو حکم دیا کہ دلدل پر سوار ہو کر پانی کی تلاش میں جائیں۔ حضرت علی رضؓ نے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ کچھ دور جانے پر انھیں ایک "تل" (میداں) نظر آیا، جہاں پر ایک کافر بت پرستی میں مشغول تھا۔ حضرت علی رضؓ نے جب یہ ماجرا دیکھا تو انھیں غصہ آ گیا۔ انھوں نے اس ڈیڑھ سو سالہ بوڑھے کو دعوتِ حق دی۔ بوڑھے نے فوراً ایک شرط رکھی کہ اگر اس کی ہمسایہ بڑھیا دعوتِ حق قبول کرتی ہے تو وہ فوراً اسلام قبول کرے گا۔ حضرت اس بڑھیا کو نبی کریم کے پاس لے گئے، حضور پرنور بڑھیا سے مخاطب ہوئے۔ بڑھیا نے بھی قبول اسلام کے لیے یہ شرط لگا دی کہ اس کی رہائش گاہ کے قریب ایک خوفناک جنگل ہے جس میں ایک بڑا سا کنواں ہے۔ یہ جنگل شیروں اور اژدہوں سے پٹا پڑا ہے۔ جو کوئی اس جنگل میں جاتا ہے وہ لوٹ کر نہیں آتا۔ لہٰذا جو بھی اس جنگل سے فتحیاب ہو کر آئیگا وہ فوراً اسلام قبول کرے گی۔ اب آدمؔ کی زبانی داستان سنیے:۔

چلے ایک جنگل منے باصفا ۱۰	لے سنگات لشکر کے تئیں مصطفا
قضا را نبی آ رہے اُس مقام ۱۱	نہ تھا نیر کدِ اس جنگل میں تمام
رہے دھند دھند کر[^1] لیتیاں وہیں ۱۲	دکھے اس جنگل میں تو پانی نہیں
تو ساقی کوثر ہے روزِ جلی ۱۳	محمد کہے یوں علی کوں دلی
جو پیدا کرد نیر کوں تم یہاں ۱۴	چڑھو[^2] دلدل اُپر دھند دجاں تہاں

. . . .

بہ خوش حال علی پھر کو آئے وہاں	کتک کر (۹) نظر تل پر گئی ناگہاں

[^1]: لہ ڈھونڈ ڈھونڈ
[^2]: لہ چڑھو۔ سکہ گھوم کر

جو آدیکھتے ہیں تو اس بھٹا پر　　تھے خالی گھراں ہورتے کوئی بشر
تفکر سیتی پھر کو سب دیکھیے　　سو یک پیر مرد وہاں پائیے
ولے او اتھا کافر بت پرست　　۱۵　لے بت کو پرستا اتھا بت پرست

....

سنیا سو بڈھا ادتھا بول کر　　۱۶　سو اپنا قصہ سب کہا کھول کر
کیا کہوں قصہ اپن حال کا　　۱۷　بدھا ہوں میں یک سو پچاس سال کا
منجے ٹیک عورت ہے ہمسایہ گی　　۱۸　اوسے سب خبر ہے محمد دین کی
گرا و آئیں گی دیں میں مصطفا　　۱۹　اوسی وقت پر میں مسلماں ہوا

....

اس عورت کے تئیں مصطفےٰ او کہے　　۲۰　لیوے دیں سو اد جنت میں رہے
کہی سچ مسلماں ہونے سکی　　۲۱　ولے ٹیک حاجت سوں میں ہوں دکھی
اس جنگل منے باں یک کھارہے　　۲۲　سو دان شیر اور اژدہا مار ہے
اس جنگل منے کوئی جاتا نہیں　　۲۳　گیا تو او ہی بر کو آتا نہیں
اگر جا کر اس باں میں سوں جکوئی　　۲۴　لگائے تیر تو میں مسلماں ہوئی

عورت کا تفصیلی بیان سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے مبارک اصحاب کی طرف پھیرا اور گویا ہوئے، اس وقت تم سے کون جواں ہمتی کی داد طلب کرنا پسند کرے گا؟ مالک اشتر نے شجاعت کے اس پیغام کو لبیک کہا۔ اور اجازت چاہی۔ وہ اس جنگل کی طرف بڑھے جس میں ہر طرف شور و غوغا رہتا تھا۔ دراصل یہ جنگل رعد جنی کی مملکت تھا۔ وہ قوم جنات کا سردار تھا

---

[1] گھوم کر [2] بڈھا [3] کنواں [4] جنگل۔

اورلات وعزیٰ کی یہ پرستش کرتا تھا۔ اس وقت تک قوم جنات مشرف بہ اسلام نہیں ہوئی تھی۔ لہذا جنوں کے باعث انسانوں کو بے پناہ تکلیف تھی۔ رعدجنی کے پاس بڑے نامی گرامی پہلوان شیر افگن سپاہی اور نامور ساحر موجود تھے۔ رعدجنی خود بھی آزمودہ کار صف شکن اور مشہور جادوگر تھا۔ صحابہ کرام اور دیگر افراد جب قوم جنات پر قابو نہ پاسکے تو حضور پرنور نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رعدجنی کے مقابلے میں بھیجا۔ ایک طرف نولاکھ جنات کی فوج تھی اور دوسری طرف تن تنہا حضرت علی اور ان کی ذوالفقار۔ حضرت علی نے اسمِ اعظم کے ذریعے رعدجنی کے سحر کو باطل کردیا اور ذوالفقار کے ذریعہ آدھی قوم جنات تہ تیغ کردی۔ حتیٰ کہ رعدجنی کا اکلوتا پہلوان بیٹا "راحیل" حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا۔ بالآخر خود رعدجنی میدانِ جنگ میں اتر آیا لیکن علی مرتضیٰ کے سامنے اُس کی ایک نہ چل سکی۔ وہ مارا گیا اور بقیہ قومِ جنات نے اسلام قبول کرلیا۔

سو یہ بات سن کر نبی مصطفا ۲۵ پہر روخ اصحاب کے ادھر صفا
کہے کون ایسا جواں بجنت ہے ۲۶ شجاعت دیکھانا سو یے وقت ہے

. . . .

ترنگ پر تے مالک جو اترے نلار ۲۷ اٹھا غلغلہ بایں میں یک بار
جو آواز آیا یوں اس غار سوں ۲۸ یکے نہا ٹے جاؤ تم اسطار سوں
کہے مالک اشتر سو یارا انکے تئیں ۲۹ کہ کوئی جو اس میں اتر ائے دئیں
جو لائے گا مجز کوئی اس بایں کا ۳۰ سچا پوت اچھے گا دوئی مایں کا

سلہ ہٹ

سو جو ہے حکم رب کا علی کے اُپر ۳۱ کر و جا کو جتا کو سارے کنز

. . . .

علی کا قدم بایں میں جیوں پڑیا ۳۲ سو اوس بایں میں ادھالا پڑیا

. . . .

اتھا فرزند رعد کو شہجوان ۳۳ سو تھا صورت خوب ہو مہربان
کہ تھا او پری زادہ ہور حیل نام ۳۴ اتھا اُس منے سیرت تمام
بُلا رعد دیں اپنے فرزند کوں ۳۵ مری جان ہور مان[۱] دلبند توں
اگر سچ تو فرزند میرا اہے ۳۶ کر باند توں شہر تیرا اہے

. . . .

راحیل جب بغرضِ جنگ حیدر کرار کے سامنے پہنچا تو انھیں اس کی خوبصورتی پر ترس آیا اور انھوں نے سوال کیا۔

کیوں آیا تو اس تجھ منے بے زیاں ۳۷ نکئیں بات ہے نکئیں زو ہاں

راحیل نے جواب دیا سہ

رعد باپ میرا پری مائی[۲] ہے ۳۸ سو پریاں کے راجا کی او جائی[۳] ہے
میرا نام سو حیل جنگی اہے ۳۹ مرے ہاتھ شمشیر ننگی اہے

راحیل حیدر کرار کے حملے کی تاب نہیں لا سکا اور حضرت کی دعوتِ اسلام صدقِ دل سے قبول کر لیتا ہے سہ

کیا یوں کہ اے شاہ بخشیو منجے ۴۰ کہے کہ جو کلیمہ جو بخشوں تجے
بگی ہو مسلماں جو ہر دو جہاں ۴۱ ہوئے سرخ اچھے شادماں

---

[۱] عزت [۲] جگہ [۳] ماں